عبدالرحیم خان خاناں: ہندوتوا کا پرچار

حسن بیگ*

آغا خاں ٹرسٹ اور انٹر گلوبل فاؤنڈیشن نے دہلی میں عبدالرحیم خان خاناں کی یاد میں ۱۱ / مارچ ۲۰۱۷ء کو ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد کی۔ آغا خاں ٹرسٹ دہلی میں عبدالرحیم کے مقبرے کی مرمت کا کام بھی انجام دے رہا ہے۔ اس کانفرنس میں نو مقررین نے شرکت کی جس میں سے دو کا تعلق بیرونِ بھارت سے تھا۔ بھارت سے باہر کے مقررین میں کسی کا بھی تعلق عبدالرحیم سے نہ تھا۔ ملکی مقررین میں صرف ایک مقرر ایسا تھا جس نے عبدالرحیم سے متعلق کتاب تصنیف کی تھی۔ اس کانفرنس کے ساتھ ایک پوسٹر نمائش بھی منعقد کی گئی۔ اس نمائش میں بیرم خاں اور عبدالرحیم سے متعلق تاریخ، تصاویر، اور ان کے کلام کو متعارف کرایا گیا تھا۔ نمائش میں آویزاں نصف سے زائد تعداد ان پوسٹروں کی تھی جس میں عبد الرحیم کی ہندی شاعری کو موضوع بنایا گیا تھا۔ عبدالرحیم کی ہندی شاعری آج کے ہندوستان میں مشہور ہے۔ بھارت کے سفر کے دوران جن شخصیات سے بھی ملاقات ہوئی انھوں نے مجھے ایک آدھ عبدالرحیم کا ہندی دوہا ضرور سنایا۔ عبدالرحیم کے ہندوانے کا سلسلہ بیسویں صدی کی ابتدا سے شروع ہوتا ہے۔ اس سلسلے کا تعلق ہندی زبان کے عروج اور ہندوستان کی فرقہ وارانہ سیاست سے انتہائی گہرا ہے۔ اس پر ایک نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔

ہندوستان میں انگریزوں کی آمد ساحلی علاقوں سے شروع ہوئی۔ ان علاقوں میں بنگال اس وقت انگریز سیاسی سازشوں کا مرکز تھا۔ بنگال میں پہلی حکومت شمالی اور وسطی علاقوں کے مقابلے میں پچاس سال پہلے قائم ہو چکی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی جب بنگال کی تجارت پر قبضے کی سازش کر رہی تھی تو اس کا واسطہ بنگالی ہندوؤں سے پڑتا تھا جہاں ہندو کثرت سے تجارت اور زمینداری سے وابستہ تھے۔ انگریزوں کے بنگالی ہندوؤں سے تعلقات پلاسی کی لڑائی سے پہلے ہی قائم ہو چکے تھے۔ یہ رابطہ بعد میں بڑے سیاسی نتائج کا باعث ہوا۔

ہندوستان میں سیاسی بیداری کا عمل راجہ رام موہن رائے سے شروع ہوتا ہے۔ اس کی جماعت برہمو سماج نے معاشرتی، مذہبی، تعلیمی اور سیاسی کی سطح پر اہم تبدیلیوں کو فروغ دیا۔ اُس عہد میں سب حکمران بنگالی ہندو تھے جو متعصب تھے۔ یہ حکمران مسلمانوں کی حکومت سے چھٹکارہ حاصل کرنے پر خوش تھے اور انگریز حکومت کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے

* ممبر رائل ایشیاٹک سوسائٹی، برطانیہ، مقیم اسکاٹ لینڈ

تھے۔ مسلمانوں کی حکومت بنگال میں ختم ہو چکی تھی۔ حالات ہندوؤں کے لیے سازگار ہو رہے تھے۔ اس کے باوجود راجہ رام موہن رائے نے مسلمانوں کو سیاسی عمل یا دیگر سطحوں پر ساتھ رکھنے میں دل چسپی لی ۲۔ اس کے تعصب کی ایک مثال کلکتہ کالج سے پیش کی جا سکتی ہے جو ۱۸۱۷ء میں قائم ہوا۔ اس کا نام اُس نے ہندو کالج رکھا ۳ جب کہ بنگال کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ مسلمانوں کو تعلیم کی طرف راغب کرنے کی سرکاری سطح پر کوئی کوشش ۱۸۷۱ء تک نہ کی گئی۔ اس کے برعکس مسلمانوں کی فراغ دلی کا یہ عالم تھا کہ حاجی محمد محسن نے مسلمانوں کی تعلیم کے لیے ہگلی میں ایک وقف قائم کیا تھا جس کے تحت ایک کالج ہگلی میں ۱۸۳۲ء میں قائم ہوا جس میں ۱۸۵۰ء تک صرف ۵ مسلمان طالب علم تھے جب کہ ۴۰۹ ہندو طلبا تعلیم پا رہے تھے ۴۔ ۱۸۷۴ء اور ۱۸۷۵ء میں بنگال کے اسکولوں میں ۲۹ فی صد مسلمان اور ۷۰ فی صد ہندو تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں ۵.۴ فیصد مسلمان اور ۹۳.۹ فیصد ہندو تھے ۵۔

ہندو اکثریت مغربی علم و تمدن حاصل کر کے مسلمانوں کے اثرات سے دور ہونا چاہتے تھے۔ ہندو تحریکیں جو بظاہر تعلیمی نوعیت کی تھیں، اصل میں ہندوؤں میں قومی احیاء کے فروغ کے مقاصد کی حامل تھیں ۶۔ وارن ہیسٹنگز نے جو عربی، فارسی اور سنسکرت کی تعلیم کی کوششیں کی تھیں ان کے نتیجے میں آہستہ آہستہ انگریز اور ہندو طبقات انگریزی تعلیم کے حق میں ہوتے گئے جس کی صراحت میکالے کے ان الفاظ سے ہوتی ہے: 'ایک ایسا نیا طبقہ پیدا کیا جائے جو ہمارے اور اُن کروڑوں افراد کے درمیان، جن پر ہم حکمران ہیں، ترجمانی کا کام انجام دے۔ یہ طبقہ رنگ و نسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہو مگر مذاق، اخلاق، خیالات اور سوچ میں انگریز ہو' ۷۔ ۱۸۴۴ء میں ہارڈنگ نے یہ فرمان جاری کیا تھا کہ ملازمتوں میں ایسے لوگوں کا انتخاب کیا جائے جنھوں نے انگریزی کی تعلیم پائی ہو ۸۔ انگریز پہلے ہی مسلمانوں کو ایک لڑاکا قوم قرار دے چکے تھے جو ہنٹر کے الفاظ میں ایک مستقل خطرہ تھی ۹۔

بنکم چندر اچٹر جی ایک بنگالی ناول نگار تھا اس نے ۱۸۸۲ء میں ایک ناول انند امتھ کے عنوان سے لکھا جس کے کردار مسلمانوں کے خلاف مسلسل زہر اگلتے رہتے تھے، ان کرداروں میں ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر اکسایا جاتا تھا اور پھر کالی کی اولاد مسلمانوں کے گاؤں جلاتی تھی اور مسلمانوں کی جائیدادوں کو لوٹا جاتا تھا۔ ہندو لیڈر یہ جتاتے تھے کہ ان کی جنگ انگریزوں سے نہیں تھی دراصل وہ تو انھیں آزادی دلانے آئے تھے۔ اسی ناول میں پہلی مرتبہ ترانہ بندے ماترم پیش کیا گیا تھا جو اب ہندوستان کا قومی ترانہ ہے ۱۰۔

ہندوؤں کے اس عسکری رجحان کے خلاف کئی معتدل آوازیں اٹھیں۔ سی ایف اینڈریوز نے اپنے ایک خط میں جو اُس وقت وائسرائے کے سیکرٹری کو لکھا گیا تھا اس میں لکھا تھا کہ قومی دھارے کو ہندوانہ بنایا جا رہا ہے اور قومی نظریات کو ہندو مذہبی رنگ دیا جا رہا ہے۔ اپنے ۱۹۰۹ء کے ایک مضمون میں تحریر کیا تھا کہ ہندوازم اور قومیت کو ہم آہنگ کیا جا رہا ہے۔ رابندر ناتھ ٹیگور کے الفاظ ہیں کہ 'ہم نے کبھی ایسے ثبوت فراہم کرنے کی کوشش نہیں کی جس سے ایسا تاثر ملتا ہو کہ

مسلمان یا عام آدمی کی بہتری کی جانب ہماری توجہ مرکوز ہے'[11]۔

ہندو فرقہ واریت میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔ ۱۸۷۰ء میں بنگالی ہندو زمین دار، بنیے اور متوسط درجہ کے ہندو، سب نے مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی شروع کی ہوئی تھی جس میں مسلمانوں کی حکومتوں کو ظالمانہ بتایا جاتا اور انگریز حکومت کو نجات دہندہ کے طور پر پیش کیا جاتا۔ یو پی اور بہار میں زبان کو بھی دشمنی کا موضوع بنایا گیا یعنی اردو کو مسلمانوں کی زبان بتایا جاتا اور ہندی کو اختیار کرنے پر زور دیا جاتا۔ ۱۸۹۰ء سے گاؤ ہتھیا کے خلاف مہم شروع کی گئی [12]۔ انگریز حکومت چاہتی تو دونوں فرقوں کے اختلافات کو کم کرنے کی کوشش کی جاسکتی تھی تاکہ دونوں فرقے ایک قوم ہونے کی کوشش کرتے لیکن انگریز پالیسی شروع ہی سے فرقوں کے درمیان خلیج بڑھانے پر مرکوز رہی۔ ہندو فرقہ بھی اگر وسیع القلبی کا مظاہرہ کرتا تو نقصان دہ عوامل کو بے اثر کیا جاسکتا تھا [13]۔

زبان کو شروع ہی سے تقسیم کر دیا گیا تھا چناں چہ گل کرسٹ نے کہا کہ ہندو فطری طور ہندی زبان اختیار کریں گے اور مسلمان عربی اور فارسی کو پسند کریں گے جس کے بعد دو اسالیب جنم لیں گے [14]۔ سرسید نے بھی ان حالات کا بہ غور مشاہدہ کیا۔ ۱۸۶۷ء میں بنارس کے بعض با اثر ہندوؤں کو یہ خیال ستانے لگا کہ جہاں تک ممکن ہو تمام سرکاری عدالتوں میں سے اردو زبان اور فارسی خط کتابت ختم کر دیا جائے۔ اور اس کی جگہ بھاشا کو اختیار کیا جائے جسے دیوناگری رسم الخط میں لکھا جائے [15]۔ وکیل ایودھیا پرشاد کھتری نے اپنی کتاب کھڑی بولی کا پد میں تحریر کیا ہے کہ اردو کے رسم الخط کو چھوڑ کر ناگری خط اختیار کرنا چاہیے [16]۔ ہندی کو رائج کرنے پر نہ صرف زور دیا جاتا تھا بلکہ اس سے بڑھ کر ہندی میں سنسکرت کے الفاظ داخل کرنے پر شعوری توجہ صرف کی جاتی تھی۔ گیان چند جین کے مطابق یو پی کے مشرق میں بنگالیوں اور ناگری پرچانی سبھا بنارس کی وجہ سے ہندی میں مسلسل سنسکرت کے الفاظ داخل کرنے کا رجحان عام ہو گیا تھا جسے بیسویں صدی میں مہاویر پرساد دویدی نے ہوا دی۔ چناں چہ جین کے پاس وکرم یونی ورسٹی سے ایم اے کی سطح کا اردو کا پرچہ بنانے کی پیش کش ہندی زبان میں آئی۔ یہ پیش کش اتنی سنسکرت زدہ تھی کہ اس کو واپس ہی کرنا پڑا [17]۔

کانگریسی حکمران کے تضادات پر مبنی رویوں کی وجہ سے 'ہندو، ہندی، ہندوستان' کے نعروں کو تقویت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔ کانگریس کی زیادہ تر تجاویز ہندو قوم کے لیے پیش کی گئی تھیں۔ مسلمانوں کو ساتھ لینے کے اقدامات بھلا دیے گئے [18]۔ جواہر لال نہرو لکھتا ہے کہ کئی کانگریسی اصحاب قومی لبادے میں فرقہ ورانہ سوچ رکھتے کے حامل تھے [19]۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے تو کئی مقامات پر تحریر کیا ہے کہ سردار پٹیل فرقہ وارانہ سوچ کے حامل تھے [20]۔ گاندھی جی نے بھی مذہب کو سیاست میں داخل کر کے فرقہ وارانہ سیاست کو ہوا دی۔ ینگ انڈیا میں رقم ہے کہ 'میں اپنے سیاسی دوستوں کو ملا کر مذہب کو سیاست میں داخل کرنے کا ایک تجربہ کر رہا ہوں [21]۔ ہندوؤں کی تنگ نظری، دوسرے فرقوں سے شراکت نہ کرنے کا فقدان، ہندی زبان کو اردو یا ہندوستانی سے الگ کرنے کی کوششیں تقسیم ہند کے بعد بھی جاری رہیں۔

کانگریس کی حکومت کے خاتمے کے بعد بی جے پی کے دور میں اس میں شدت آ گئی ہے۔ اب ہر چیز کو ہندوانے کی کوشش کو ہندوتوا کا نام دیا جا رہا ہے۔ عبدالرحیم کو ہندوانے کی کوشش بھی ۱۹۲۰ء میں شروع ہو گئی تھی۔ نہاوندی کے مطابق ان کے ساتھ بہت سے ہندی شاعر اور ادیب تھے۔ ان کا ہندی کلام بھی موجود تھا لیکن ان کو تحریر کر کے محفوظ نہیں کیا گیا تھا کیوں کہ یہ سب مجلسی باتیں تھیں، دوسرے ہندوؤں میں لکھنے کا رواج نہ تھا۔ اگر ہندی شاعر اس پر توجہ دیتے تو یہ محفوظ رہ سکتا تھا۔ تین سو سال پہلے کا کلام یک بارگی بیسویں صدی میں دریافت ہونا شروع ہو جاتا ہے اور وہ بھی اس زمانے میں جب ہر چیز کو ہندوایا جا رہا ہو، یہ کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ ۲۲۔ عبدالرحیم سے غلط کلام منسوب کرنے کی اور بھی مثالیں ہیں۔ مصرا بندھو ونود نے ۱۹۰۶ء میں کوی نند داس کا کلام عبدالرحیم سے منسوب کر دیا تھا ۲۳۔ منشی دیوی پرشاد کایستھ نے اردو میں خاں خاناں نامہ ۱۸۷۹ء میں شائع کیا۔ اس کی دوسری نظر ثانی شدہ اور کامل اشاعت ۱۸۹۸ء میں سامنے آئی ۲۴۔ اس نظر ثانی شدہ اشاعت میں کوئی ہندی کلام شامل نہیں لیکن جب اُس نے ۱۹۰۶ء میں ہندی خان خاناں نامہ شائع کیا تو اُس میں چالیس دوہے شامل تھے۔ برج رتناداس نے ۱۹۲۳ء میں رحیمن ولاس شائع کی تو اس میں دوہوں کی تعداد ۲۸۹ ہو گئی۔ اس کے بعد مایا شنکر یا گینگ نے نگر شوبھا اور بروے دریافت کیے ۲۵۔ یہ تینوں شخصیات، دیبی پرشاد، برج رتناداس اور مایا شنکر یا گنک کا تعلق ناگری پرچارنی سبھا سے تھا جس کا مقصد اردو کو ختم کرنا تھا۔ ظاہر ہے یہ پہلو اب بھی تحقیق طلب ہے کہ یہ کلام جن مخطوطات پر مبنی ہے ان کی صحت، ان کے کاغذ کی جانچ پڑتال، ان کی کاربن ڈیٹنگ کی ضرورت ہے تا کہ کلام کا مستند یا الحاقی ہونا ثابت ہو سکے۔ صرف اس بات پر بھروسا کرنا کہ کلام بار بار اور مسلسل شائع شدہ اشاعت اس کلام کے مستند ہونے پر دال ہے تو اسے خلافِ حقیقت ہی کہا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات و حواشی:

۱۔ ملک، عبداللہ، ۱۹۶۷ء، بنگالی مسلمانوں کی صد سالہ جدوجہد، مجلس ترقی ادب لاہور، ص ۸۲، ۹۲

۲۔ راجہ جی کی اپنی تعلیم ایک مدرسے میں ہوئی تھی، مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: ولیم ڈیلرمپل، ۲۰۰۸ء، *The Last Mughal*، نیویارک، ص ۱۸؛ اُس کو راجہ کا خطاب مغل بادشاہ اکبر شاہ ثانی نے دیا تھا: تفصیلات کے لیے دیکھیے: پرسی ول اسپیئرس، (Percival Spear) ۱۹۹۱ء، *Twilight of the Mughals*، یونی ورسٹی پریس، ص ۶۴؛ بنگال کے ہندو بہ شمول راجہ رام موہن رائے نے شاہِ برطانیہ کو ایک خط میں لکھا تھا جس میں یہ جملہ شامل تھا۔ بالآخر قدرت نے رحم کیا اور انگریزوں کو مامور کر دیا، وہ بنگالیوں کو اس غلامی سے نجات دلائیں اور ان کو اپنی حفاظت میں لیں: دیکھیے: گیان چند جین، ۲۰۰۳ء، ایک بھاشا، دو لکھاوٹ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ص ۱۶۱

۳۔ گوپال، رام، ۱۹۵۹ء، *Indian Muslims: A political History 1858-1959*، ایشیا پب ہاؤس، لندن، ص ۱۶

۴۔ احمد، صوفیہ، ۱۹۷۴ء، *Muslim Community in Bengal 1884-1912*، آکسفورڈ، ص ۶، ۲۱

۵۔ احمد، رفیع الدین، ۱۹۹۶ء، *The Bangal Muslims 1871- 1906*، آکسفورڈ، ص ۱۴۳۔۱۵۳
۶۔ خاں، حمید احمد، ۱۹۷۵ء، تعلیم و تہذیب، مجلس ترقی ادب لاہور، ص ۲۰، نوٹ ۱
۷۔ ایضاً، ص ۱۴
۸۔ ایضاً، ص ۲۲
۹۔ ہنٹر، ولیم ولسن (W.W Hunter)، ۱۸۷۶ء، *The Indian Musalmans*، لندن، ص ۳، ۵۳، ۴۴
۱۰۔ سعید، خالد بن، مئی ۱۹۹۱ء، *Pakistan: The Formative Phase 1857- 1948*، آکسفورڈ، ص ۵، ۲۲، ۳۲
۱۱۔ عزیز، کے، کے، ۱۹۸۷ء، *A History of the Idea Of Pakistan*، وین گارڈ، لاہور، ص ۹۶
۱۲۔ چندرا، بپن، مریدولا مکھر جی، آدیتیہ مکھر جی، کے این پانی کر، سوچیتا مہاجن، اگست ۲۰۰۶ء، *India's Struggle for Independence*، پینگوئن رینڈم ہاؤس، انڈیا، ص ۴۱۷
۱۳۔ سعید، ص ۵، ۶
۱۴۔ جین، گیان چند، ۲۰۰۳ء، ایک بھاشا، دو لکھاوٹ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ص ۲۶۱
۱۵۔ حالی، الطاف حسین، ۱۹۳۹ء، حیات جاوید، انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی، ص ۳۹۱
۱۶۔ جین، ص ۱۸۱
۱۷۔ ایضاً، ص ۴۸۱
۱۸۔ بپن چندر، ص ۷۴
۱۹۔ نہرو، جواہر لال، نومبر ۲۰۰۴ء، *An Autobiography*، پینگوئن بکس انڈیا، ص ۱۶۳
۲۰۔ آزاد، ابوالکلام، ۱۹۸۸ء، *India Wins Freedom*، اورینٹ بلیک سان انڈیا، ص ۱۷
۲۱۔ گاندھی، موہن داس کرم چند، ۱۹۲۷ء، *Young India, 1924-1926*، ایس جینی سان، مدراس، ۱۲ مئی، ۱۹۲۰ء۔
۲۲۔ رگھون، ٹی سی اے (T.C.A Raghvan)، فروری ۲۰۱۷ء، *Attendant Lords: Bairam Khan and Abdur Rahim Courtiers and Poets in Mughal India*، ہار پر کولنس، انڈیا، ص ۲۶۰
۲۳۔ ایضاً، ص ۱۶۲
۲۴۔ اردو میں خان خاناں نامہ کی جدید اشاعت ۱۹۹۰ میں کراچی سے ہوئی۔ اس کا تعارف ڈاکٹر حسین جعفر حلیم نے تحریر کیا ہے جن کی کتاب شرح احوال و آثار عبد الرحیم ہے۔ اس نئی اشاعت کا تعارف لکھتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مصنف خان خاناں کا تخلص سحر تھا۔ یہ انھوں نے ڈاکٹر سید عبداللہ کی کتاب ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ کے حوالے سے درج کیا تھا جس میں دیبی پرشاد سحر کا نام دور آخر کے فاضل ہندوؤں میں شامل تھا (ص ۳۲۲)۔ لیکن خان خاناں نامہ کی ۲۰۰۵ء کی اشاعت تک یہ واضح ہو چکا تھا کہ یہ غلط فہمی ہے۔ اس کے لیے یہ وضاحت کر دی گئی تھی کی منشی دیبی پرشاد سحر اور منشی دیبی پرشاد کایستھ دو الگ شخصیتیں ہیں (دیکھیں نوٹ ۱۶/الف، ص خ)۔
۲۵۔ رگھون، ص ۲۷۰

Abstract

This article shows how the works of Abdul Rahim Khan-e Khanan politicized. Tracing the history of the very tendency of the Indian present and formers governments, it reveals that it is not new as it is deeply rooted in the popular politics in India. A conference highlighting the importance of his work through the lenses of the Indian government is recently held in Delhi along with a poster exhibition. It also mentions that the poetical works attributed to him is of little evidence. His work published in the beginning of the twentieth century is becoming hefty with the each work published later on as the editors of the works added poetry from their own to support their view points particularly Hinduthwa.

Keywords: Abdul Rahim Khan-e Khanan, Hinduthwa, India